© rasailojaraid.com

اسلام کا فلسفۂ اخلاق

فضلِ حمید

تعمیرِ اخلاق کی ضرورت بدیہی ہے۔ منطق کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ بدیہیات کا اثبات محتاجِ استدلال نہیں ہوتا، یعنی یہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کا مصداق ہوتا ہے اس کے باوجود عرفی کا یہ قول بھی اپنی جگہ درست ہے:

ہر کس نہ شناسندۂ راز است ولیکن
ایں ہمہ راز است کہ معلوم عوام است !

یہ حقیقت قابلِ غور ہے کہ یہ عالم مجموعۂ اضداد ہے۔ کفر کے بغیر ایمان، زشت کے بغیر خوب، بدصورتی کے بغیر خوبصورتی، شر کے بغیر خیر کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کو فلسفہ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اشیاء اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہیں اور حق تو یہ ہے کہ اس گوناگونی اور بوقلمونی کے بغیر عالم کا جمال و کمال متصور بلکہ ممکن نہیں۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اس تمہید کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ زُہدِ خشک اور تقشّف کو اصرار ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام عالم کا رنگ روپ اور خط و خال یکساں ہو جائیں۔ یہ بات حکمتِ تکوینی اور سنت الہی کے منافی ہے۔ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی اور کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ کی نصوص قرآنی اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں ؎

آنچہ فلک نہ خواست است ہیچ کس از فلک نہ خواست
ظرفِ فقیہ مے نہ جست بادۂ ما گزک نہ خواست

بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خیر و شر اور زشت و خوب کی ایسی قدریں بھی ہیں جو وجدانی طور پر اقوام عالم یعنی جملہ بنی نوعِ انسان میں مشترک ہیں۔ انہیں قرآنی اصطلاح میں "المعروف" سے موسوم اور ان کی ضد کو "منکر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اخلاق کا اطلاق عمومی لحاظ سے معروف پر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کو قرآن نے اسی معنیٰ میں عظیم کہا ہے۔ خُلق معصیت کی ضد نہیں ہے۔ معصوم تو صرف انبیاء ہوتے ہیں معصیت اضطراری ہو تو بقولِ حافظ مستحقِ کرامت ہے۔ اس قسم کی معصیت کے بارے میں خواجہ حافظ نے کہا ہے ؎

گناہ گرچہ نہ بود اختیارِ ما حافظ
تو در طریقِ ادب کوش گو گناہِ من است

اور ان کے اس اعتذار کی شوخی ملاحظہ ہو

سہو و خطائے بندہ چو گیرند اعتبار
معنئ عفو رحمتِ پروردگار چیست؟

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے اور توبہ نہ کرتے تو خدا تمہاری بجائے کسی ایسی قوم کو پیدا کر دیتا جو گناہ کرتی اور توبہ کرتی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اخلاق قرآن کے حروفِ مقطعات کی طرح باطنی و معنوی کیفیتیں ہیں جو انسان کے ضمیر و خمیر میں محرکاتِ عالیہ کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ فضائلِ نفس ہیں جو رذائلِ نفس کے متقابل و متخالف ہیں۔ امام اعظم نعمان بن ثابتؒ کا یہ قول کتنا بلیغ اور مبنی برحقیقت ہے کہ اعمالِ صالحہ جزوِ صورتِ ایمان ہیں، جزوِ حقیقتِ ایمان نہیں۔ اُن کے نزدیک اَلْاِیْمَانُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَایَزِیْدُ وَلَایَنْقُصُ کا تعلق مقولۂ کیف سے ہے کمیت یعنی مقدار سے نہیں۔ ماناافا
کی صورتوں میں ارتکابِ معاصی سے اجتناب شامل ہے لیکن حقیقتِ اخلاق کامفہوم ا
اندرایک وسعت وجامعیت رکھتا ہے جس کا تصور اہلِ باطن یعنی اصحاب دل ہی کرسکتے ہیں
اہل الظواہر اور اصحاب قشر کا ادراک اس حقیقت تک مشکل سے ہی پہنچ سکتا ہے، زہد و
عبادت اپنی معنویت کے اعتبار سے مکارمِ اخلاق کے اصول کا ذریعہ توہوسکتی ہے لیکن حقیقتِ
اخلاق پر اس کا کلی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ضرورتِ اخلاق کے موضوع پر جب اظہا
خیال کیا جائے توحُسنِ اخلاق کو اُس کے وسیع معنٰی سے تعبیر کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر اگ
کوئی شخص کبائر سے مجتنب ہو۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو مگر حقوق العباد سے غافل ہو، خلقِ خد
کی دل آزاری کرتا ہو، یا رذائلِ نفس سے عادتاً مغلوب ہو تو اسے اخلاقِ عالیہ سے متصف
قرار نہیں دیا جاسکتا۔ علاوہ بریں یہ بھی مشاہدہ ہے کہ فطرت کے مزاج یعنی طبیعتِ کلیہ میں
میزانِ عدل وتعدیل کے ساتھ ساتھ ذوقِ جمال وکمال بھی کارفرما ہے۔ جمال وکمال کے
یہ تیکھے تیور فرشِ زمین سے عرشِ بریں تک کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں جلوہ نما ہیں۔ بحر وبر،
کوہ ودشت اور باغ وراغ۔ الغرض چمنستانِ وجود کے جملہ برگ وبار اور گل وخار مظاہر
حُسن وجمال سے معمور ہیں۔ البتہ بحسبِ قابلیت واستعدادِ ممکنات بہ الفاظ دیگر ذات
بحت کے مظاہر صوریہ میں تفاوتِ مراتب ومدارج ہے ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

اسی بنا پر اس عالم کو عالم اعتبارات واضافات کہتے ہیں؛ نہ اس بنا پر کہ اس کا
ہیولیٰ یا مادۂ اولیٰ موہوم محض ہے۔

ہست ایں میکدہ ودعوت عام است ایں جا
قسمتِ بادہ باندازۂ جام است ایں جا

تعینات باہمی مغائرت کے لحاظ سے نیک وبد کے اضافی اعتبارات قبول کرتے ہیں
حقیقتِ وجود ہمارے متخیلہ کے خیر وشر اور زشت وخوب کے تصورات سے ماوراء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارفع و اعلیٰ ہے۔

سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

یہ ممکنات و مقیدات کی کوتاہ دانائیوں کی حکایت ہے۔ مبدائے فیاض کی ملہ اور ربوبیتِ مطلقہ کا اس میں کچھ قصور نہیں۔ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس،

اس مضمون کو شہیدی نے زیادہ دردمندانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی لیکن
تجھ سے کیا ضد تھی جو تو بھی کسی قابل ہوتا

غالب نکتہ داں کے ہاں اس کی تعبیر مابعد الطبیعاتی رنگ اختیار کر گئی ہے۔

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

ممکنات کی قابلیت و استعداد کا مسئلہ حضرت حافظ نے اپنے خاص رنگ میں ا ہے۔

ہر چہ ہست از قامتِ ناسازئ اندامِ ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

ہماری عقل کی نارسائیاں اور غلط اندیشیاں محتاجِ تشریح نہیں۔ ہمارے مشاہدات میری لغزشیں قدم قدم پہ ہمارے خیال و تصور کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوتی ہیں۔ ئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا نفسِ ناطقہ ہمارے ماحول کی ناسازگاریوں، توارث کی توں اور نفسانی خواہشوں کی چیرہ دستیوں سے مجروح و مغلوب ہو جاتا ہے۔ بقول بیدل دارِ انجمنِ مجاز اور بے تمیزی ہائے عالمِ اعتبارات میں مبتلا ہیں۔ اس لئے ہدایتِ حِسّی کے علاوہ کسی مافوق الشعور ہدایت کے بھی ہم محتاج ہیں۔ آئن سٹائن نے ابعادِ ثلاثہ بس بُعد یعنی زمان کا اضافہ کیا۔ اقبال نے نِطشے اور وائیٹ ہیڈ کے نظریوں سے متاثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو کر ایک اور امتداد یعنی الہام و وحی کا مزید اضافہ کر کے ہدایتِ نبوت کو عقلی طور پر قبول کر۔ کا راستہ ہموار کر دیا۔ اس اعتبار سے وجدانِ صحیح، عقلِ مجرّد یا مشاہدۂ ماوراء الحسیّات کو ہدایتِ وحی وفیضانِ نبوت کی اصطلاحوں سے موسوم ومعنون کیا گیا ہے۔ عقلِ سلیم یہ ماننے سے صریحًا انکار کرتی ہے کہ جس ربوبیتِ مطلقہ نے اس عالمِ آب وگل اور رنگ وبُو میں ہمارا حیاتِ انفرادی واجتماعی کی تقویم اور نسلی بقا کے لئے برگ وساز فراہم کیا ہے اور نظام فطرت میں تعلیلی حکمتوں کا ایک وسیع کارخانہ قائم کر رکھا ہے، اس نے ہماری اخلاقی ترقی وتعالی اور فوز وفلاح کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ اور کاروبارِ فطرت کی ہم آہنگی یعنی نظام کائنات کے قوائے ظاہری اور نفسِ انسانی کے قوائے باطنی کی سازگاری کا یہ ناگزیر تقاضا ہے کہ انسان کی روحانی سعادت کا مواد بھی بر حسب قابلیت ہر فردِ کائنات کے لئے موجود اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم مُبدأ فیّاض، جوّادِ مطلق، ربوبیتِ مطلقہ، حکمتِ کاملہ اور معادلتِ بالغہ کے تصورات کی تصدیق کیونکر کرسکتے تھے؟ فیضانِ الٰہی میں جو تفاوت عالمِ آب وگل میں پایا جاتا ہے، وہ ممکنات (جنہیں اعیان اور صورِ علمیہ سے موسوم کیا جاتا ہے) کے ظرفِ استعداد کے درجہ بدرجہ تفاوت کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ تخلیق عبارت ہے ظہور سے ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عینِ الطاف است

یہ ظاہر ہے کہ طلبِ جمال وکمال اور اصلاحِ بواطنِ احوال کے داعیات ومحرکات ہر فردِ بشر میں وجدانی طور پر موجود ہیں اور مکارمِ اخلاق کے بغیر آدمی انسان نہیں بن سکتا حضرتِ حافظ نے اس نکتہ کو بہت لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے ؎

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند
گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

یہ بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ ربوبیت اور رحمتِ مطلقہ کا یہ لابدی تقاضا ہے کہ انسان کے اخلاق کی اصلاح وتعالی کا اہتمام نظامِ کائنات میں ظاہری وباطنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے موجود ہو۔ ظاہری اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شے کی فطرت نشو و نما اور
ن کا تقاضا کرتی ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات سب میں یہ تقاضا
ودیعت ہے۔ کہیں جمادات میں بہ تحسین و تعدیلِ صوری کے انداز میں ظاہر ہوتا
نباتات میں قوتِ نامیہ کے فیضان سے اس میں نشو و نما کی قابلیت کا اضافہ
یوانات میں حرکتِ جبلی، حسِ اعلیٰ اور بقائے نسل کی تحریکوں کے مزید اضافے
وتا ہے اور حضرت انسان میں ان جملہ تقاضوں کے ساتھ ساتھ جمالیاتی ذوق
طقہ کے افاضہ سے جمال و کمال کی طلب پیدا ہوتی ہے اور ترقی و تعالی کا جذبہ
ہتا ہے۔ شوپن ہاور تمام کائناتِ ہست و بود کو ارادہ اور خیال کی فعال
رگاہ تصور کرتا ہے۔ گویا یہ تمام عالم مشیت کی تخلیق ہے۔ اس مشیت کی حکمرانی
ت کے اعتبار سے "اختیار" اور معنیٰ کے اعتبار سے "جبر" پر دلالت کرتی ہے۔
ئنات آزاد نہیں۔ وہ اسے ارادہ فطری، حس یا جبلت باطنی قرار دیتا ہے جو
ات کی ماہیت میں مندمج عملِ تخلیق و تکوین میں سرگرم رہتی ہے۔ اسلامی
، یہ وجدانی قوت ابتدائے ظہور و شہود میں عبارت ہے "کلمۂ کُن" یعنی مشیتِ
ر بعد از ظہور یعنی بہ ہنگام شعور عبارت ہے "الہام" یا "وحی" سے اور جب
رجۂ تکمیل کو پہنچتی ہے تو "وحی نبوت" سے تعبیر کی جاتی ہے۔ ہدایتِ وحی کا
نت محمدیہ ہے۔ جملہ موجودات خارجی، عناصرِ فلکی اور حقائق باطنی (جنہیں اصطلاح
علوی اور اُمہات سفلی سے موسوم کیا جاتا ہے) کی مثالی صورت یہی حقیقت ہے
نات میں جتنے حقائق ممکنات مرقوم ہیں، یعنی نظامِ فطرت میں جتنے مکونات
القوۃ موجود ہیں، اور جتنے حقائق حرکی قوانین قدرت اور نوامیس فطرت
یں کارفرما ہیں وہ حقیقتِ محمدیہ کے برزخِ کبریٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حقیقت محمدیہ برزخ ہے عالم ناسوت اور عالم لاہوت کے درمیان۔ بالفاظ
ہے آبائے علوی یعنی فلکیات اور اُمہات سفلی یعنی ذرات ارضی کے درمیان۔
س طرح بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ حقیقت محمدیہ ایک تخلیقی شعوری قوت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جونظمِ کائنات کے لئے قوتِ فاعلہ اور قوتِ منفعلہ میں ربط واتحاد اور تعامل وتفاعل کا باعث ہوتی ہے۔ مابعد الطبیعات کی رُو سے یہ شاہ ولی اللہ کی قوت مثالیہ ہے جس میں صور ومعانی اور بطون وظہور کا اتحاد مندرج ومندمج ہے۔ ہدایت وحی اور فیضانِ ربوبیت کے مظہرِ اتم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ طبیعتِ کلیہ لوحِ محفوظ ہے۔ حقائقِ کائنات کی مثالیں، صورتیں کتاب مبین (جسے اُمّ الکتاب بھی کہا گیا ہے) میں مندرج ہیں۔

صحیفۂ کائنات میں جو معنوی حقائق مرئی ومحسوس ومشہور ہیں، وہ عکوس وظلال اُن صُوَرِ مثالیہ کے ہیں، جو نورِ محمدی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں منطبع ہیں۔ اسی معنٰی میں مولانا جامی فرماتے ہیں:۔

سلامٌ علیک نبیٔ مکرم مکرم تراز آدم ونسلِ آدم
سلامٌ علیک زاسماءِ حُسنٰی جمالِ تو آئینۂ اسمِ اعظم

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

نسخۂ کونین را دیباچہ اُوست جملہ عالم بندگان وخواجہ اوست

غالب نے بھی کہا ہے ؎

آئینہ دار پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است

اس لئے تعمیرِ اخلاق میں آنحضرتؐ کا اتباع واجب ہے۔ قرآن کہتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اور خود آنحضرت ختمی المرتبت کا ارشاد ہے کہ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

یہ تو بالکل عیاں ہے کہ قومیں اپنے اخلاق یعنی سیرت وکردار کی بلندی وبرتری سے عزت وبزرگی کا مقام حاصل کرتی ہیں۔ بقائے نفس یا تشخصِ انفرادی کے مسئلے کو حل کرنے کی مختلف صورتیں علمائے مابعد الطبیعات نے پیش کی ہیں۔

بعض اسلامی حکماء کا یہ خیال ہے کہ اخلاق اور اعمال سے انسان کا ایک مثالی جسم اس کی موجودہ زندگی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتا اور نشوونما پاتا رہتا ہے۔ اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزاج و اخلاق کی آئینہ داری کرتا ہے۔ اور یہی وہ صورت مثالی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایک قسم کا شعاعی وجود ہے جس میں کسی فرد کے تشخص کے لطائف و کثافات منعکس اور مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عربی کے نزدیک جنتی جنت میں اس مثالی جسم کو اختیار کر کے داخل ہوں گے جو اُن کے اخلاق و اعمال و افکار نے تیار کیا ہے۔

روزِ حشر تک جس قبر میں آدمی رہتا ہے، وہ اس کے مثالی جسم کا مثالی عالم ہے۔ اس مثالی جسم کو حضرت شاہ ولی اللہ نے نسمہ سے موسوم کیا ہے۔ بہرکیف انسان کی موجودہ اور آئندہ زندگی میں اس کے اخلاق کا جس میں اُس کے افکار و اعمال بھی شامل ہیں، بڑا عمل دخل ہے اور اس زندگی میں تو نفسِ مطمئنّہ کا حصول مکارمِ اخلاق کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن کسی چیز کی ظاہری صورت کا انحصار خواہ اس کا تعلق اخلاق سے ہو یا اعمال سے اس کی باطنی یا معنوی حقیقت پر ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا افرادِ انسانی کے اخلاقِ حسنہ کا مبدأ و منشا اُن کے باطنی اخلاق کے منابع میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ جملہ فضائل اور اخلاقِ حسنہ کا سرچشمہ وحیٔ نبوت ہے اور وحیٔ نبوت کا نصاب جمال اپنی حدِ کمال کو اس وقت پہنچا جب آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ بالفاظ دیگر اسلام نام ہے اخلاقِ عالیہ اور انسانیتِ کبریٰ کی تکمیل کا۔

اس بیان سے یہ واضح ہوگیا کہ ہمارے ضابطۂ اخلاق اور تصوراتِ اخلاقیات اور جمالیاتی اقدار کا سرچشمہ و نصب العین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستجمع الصفات ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ ۔

اہل الظواہر اور اہل بواطن یعنی اصحابِ صُور اور اربابِ معنیٰ میں اوامر و نواہیٔ شریعت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں گروہ شریعتِ مطہرہ کا احترام کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ صوفیائے کرام اخلاص نیت۔ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اہل الظواہر محض عبادت اور ظواہرِ شریعت کی پابندی کو کافی و وافی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہیں۔ کوتاہ بینوں نے صوفیا کے اقوال پر جرح اسی غلط فہمی کی بنا پر کی ہے۔

صوفیا یا شعرائِ متصوفین نے جو ترکی بہ ترکی جواب ریاکار زاہدوں اور دنیا پرست عابدوں یا علمائے سو کو دیا ہے، اُس کا سبب شریعت سے روگردانی نہیں ہے بلکہ خشک کی تنگ نظری۔ ریاکاری یا حد سے بڑھی ہوئی ظواہر پرستی ہے۔ بقول غالب:

سخن کوتاہ مرا دل ہم بہ تقوائے مائل است اما
زننگِ زاہد اُفتادم بہ کافر ماجرائے ہا

اگر حضرت الوہیت کا نورِ بسیط بطونِ عما میں جو حضرتِ ابن عربی کے نزدیک مطلق پر بھی محیط ہے، پوشیدہ رہتا اور قوت سے فعل میں منتقل نہ ہوتا تو نہ صرف تکلیفِ شرعیہ بلکہ جملہ لوازمِ جسمانیہ سے ہم آزاد رہتے اور تعمیرِ اخلاق کی سعی کے بھی منت کش ہوتے، لیکن کیا کیا جائے ؎

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے جو حُسن نہ ہوتا خود بیں

رہ و رسم منزل

حضور سرورِ دوعالم کا ارشاد ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ کے اخلاق اپنے میں پیدا کرو۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

تو در و گم شو وصال این است و بس
تو مباش اصلاً کمال این است و بس

صفاتِ الٰہی سے متصف ہونا شرک نہیں۔ شرک سے مراد شرک فی الذات کیونکہ شرک فی الذات محال ہے، اس لئے اصنام پرستی کے موہوم اعتبارات سے معا مضمحل ہوکر آدمی تعددِ الٰہ کے گمانِ باطل میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفاتِ جمال و کمال میں مشارکتِ جزئی یا موافقت شرک نہیں بلکہ ایمان ہے۔ اگرچہ یہ تشریک ظلی و مجازی ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے ذات عین اور صفات عین ذات ہیں۔

حرم جویاں درے را می پرستند فقیہاں دفترے را می پرستند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برافگن پردہ تا معلوم گردد   کہ یاراں دیگرے را می پرستند

انسان کو خلافت ونیابت الٰہی عطا ہوئی ہے اور خلیفہ وہی ہوتا ہے جو مُخلف کی صفات کا حامل ہو۔ غالب مرحوم نے اس نازک مسئلے کو کیا خوب حل کیا ہے ؎

برحسب نشۂ پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مست مئے ذات چاہیئے

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تعمیرِ اخلاق اور اصلاحِ باطن کے لئے اخلاقِ الٰہی سے برحسب ظرف واستعداد متّصف ہونا چاہیئے۔ اس دعوے یا مقدمہ کو تسلیم کرنے کے بعد یہ دیکھنا چاہیئے کہ اخلاقِ الٰہیہ کیا ہیں۔ سورۂ فاتحہ جو اُمُّ الکتاب ہے اس بارے میں مکمل رہبری کررہی ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی صفتِ کاملہ وجامعہ ربوبیت ہے۔ یعنی ہر فرد کی اُس کی استعداد وقابلیت کے لحاظ سے پرورش کرنا اور اس کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنا۔ ربوبیت کی دوسری صفت یہ ہے کہ کاروبارِ ربوبیت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ خویشی وپیوندی مذہب وملّت اور رنگ ونسب کے تمام اضافتی علائق سے پاک ہے۔
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

ربوبیت کی تیسری صفت تحسینِ تخلیقات ہے۔ یعنی جملہ اشیاء میں حُسنِ اعتدال اور تناسب سے موزونیت اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے نظامِ جسمانی اور بدن کے اعضاء وجوارح اور خدوخال بھی اس فیضان کا یہ نتیجہ علیٰ قدرِ مدارج پایا جاتا ہے۔
ربوبیت کی چوتھی صفت قوانین ونوامیس فطرت میں توافق وہم آہنگی پیدا کرنا ہے تاکہ انسان کی اجتماعی وانفرادی زندگی حسین وجمیل اور مستقیم ومستحکم ہوسکے۔ ربوبیت کی پانچویں صفت صمدیت ہے جسے ہم انسانی حدود وقیود کے اعتبار سے ایثار سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ جملہ تکلیفات شرعیہ ہمارے نفس کی اصلاح اور ہماری معیشتی ومعاشرتی بہتری کے لئے نہیں۔ نماز اس لئے ہے کہ وہ ہماری جسمانی وروحانی تطہیر کا باعث ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے محمدؐ! کہہ دو کہ میرا اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا" یہ تسلیم کرنے کے بعد یہ غور کرنا چاہیئے کہ تعمیرِ اخلاق کا کونسا راستہ قرآن کریم اور شریعتِ مصطفویؐ نے متعین کیا ہے۔ سب سے پہلے اس ہدایت کو لیجئے جسے قبول کرنے کی استعداد ہر قلبِ انسانی میں ودیعت کی گئی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝

اس آیتِ کریمہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ صلاحیت کم یا بیش ہر نفس انسانی میں بالطبع موجود ہے لیکن تزکیۂ نفس بھی ضروری ہے۔ اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ تعلیم و تربیت دونوں ضروری ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس طریقِ کار کی بھی وضاحت فرمادی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔

مراد یہ ہے کہ پہلے صرف آیاتِ الٰہیہ کو گوشِ نصیحت نیوش تک پہنچا دیا جائے کیونکہ کفر آشنا طبائع میں اس سے زیادہ استعداد موجود نہیں ہوتی۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

یہاں یہ نکتہ بھی حل ہوگیا کہ قرآن کریم میں معنوی برکات و فیوضات سے علاوہ صوتی فیضان بھی ہے یعنی مجرّد قرآنِ کریم کا سننا باطن میں ایک خاص قسم کا مزاج پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد نفس یا طبیعت تزکیہ کی طرف راغب ہو جاتی ہے۔ تزکیہ سے مراد طہارت پاکیزگی، صدق و اخلاص، حسنِ خیال و تحسینِ عمل، رقتِ قلب، ہمدردیٔ بنی نوعِ انسان۔ الغرض جملہ محاسن و مکارمِ اخلاق ہیں اس تزکیہ کے بعد انسان کے نفس ناطقہ میں آیاتِ محکمات و بیّنات یعنی ایسی آیات جن کا تعلق احکامات سے ہے سمجھنے اور قبول کرلینے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد قرآن کے بصائر و حِکَم معارف و حقائق، احکامِ الٰہیہ کی اصل غرض و غایت اور دین کی معنوی حقیقت معلوم کرلینے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح ذوق و وجدان پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا وہ شرح صدر ہو جاتی ہے جسے قرآن "الحکمۃ" سے تعبیر کرتا ہے اور خیرِ کثیر کا مترادف قرار دیتا ہے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

آیاتِ متشابہات میں چونکہ حقائق کو زیادہ تر تشبیہات و تمثیلات، اشارات و استعارات کے ذریعے بیان کیا گیا ہے جو عقولِ متوسطہ اور اذہان غیر بالغہ کے احاطہ سے ماورا ہیں، اس لئے قرآنِ کریم نے یہ تنبیہ کر دی ہے کہ

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ۔

آیاتِ متشابہات کی تاویل و تشریح وہی لوگ کر سکتے ہیں جو راسخ العلم ہیں۔ قرآن نے یہ ہدایت بھی کر دی ہے

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥

اگر تم ان کے معنی نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ یہاں اہل ذکر سے مراد ذاکرین یا عباد و زہاد نہیں۔ بلکہ صاحب بصیرت ذی علم لوگ ہیں، بلکہ اکثر اوقات یہ علم فیضانِ صحبت سے حاصل ہوتا ہے اور شرح صدر اور علم لدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تزکیۂ نفس و تصفیہ باطن کے لئے ضبطِ نفس لازمی ہے۔ ضبطِ نفس تقوٰی یعنی خوفِ خدا کا دوسرا نام ہے۔ ضبطِ نفس سے مراد تہذیبِ نفس اور ترکِ دنیا نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے اسلام میں رہبانیت نہیں۔ حضرت ابن عربی کا قول ہے لا تتعب نفسك فانها غاية مافوقها غاية (اپنے نفس کو بے جا تکلیف میں نہ ڈالو۔ کیونکہ یہ (نفس) وہ غایت (تخلیق) ہے جس کے اوپر اور کوئی غایت نہیں)۔

تزکیۂ نفس کے جو طریقے مخصوص ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) ضبط و تربیتِ نفس۔ اس کے لئے تطہیرِ بدن اور صلوات پنجگانہ مقرر ہیں، یہ جسمانی و روحانی زندگی کا ایک انضباط ہے۔

(۲) تطہیرِ مال یعنی زکوٰۃ۔ اس میں معاشرہ کی بہبود اور ایک حد تک دولت کی تقسیم میں مساوات کا اہتمام ہے۔ صدقات و خیرات اس کے علاوہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) تفکر و تدبر۔ اس سے مراد نظامِ عالم کے کاروبار اور کلمات اللہ یعنی قوانینِ فطرت پر غور کرنا ہے۔ اس میں اپنی نفسیاتی اور ذہنی کیفیات اور تشریح الابدان اور وظائفِ اعضاء کی حکمت و مصلحت پر غور کرنا بھی شامل ہے۔ یہ باب معرفت الٰہی کا ہے جیسا کہ حدیثِ نبوی میں مذکور ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اسی بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ہ اور غالباً یہی وہ تفکر ہے جس کے بارے میں یہ حدیث نبوی ہے تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ (ایک گھڑی کا غور و فکر، سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے)۔

شریعت کے ظاہر اور حقیقت کے باطن کی ہم آہنگی یعنی حقائق باطنی اور موجودات خارجی کی تعبیروں کو ایک ہی آئینۂ حقیقت میں ہم رنگ دیکھنا طریقت کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے غیر عالم صوفی اور غیر صوفی عالم میں جو فرق ہے، وہ تو ظاہر ہے، لیکن عالم صوفی اور صوفی عالم میں چنداں تفاوت نہیں۔

یک چراغ است کہ از پرتوِ آں　　　جلوۂ دیر و حرم ساختہ اند

عالم جسے باہم متضاد عناصرِ مادی کے اجزائے لایتجزیٰ پر مشتمل تصور کرتے ہوئے مجموعۂ اضداد کہا جاتا تھا، اب اسی عالم کو منفی و مثبت ولا مثبت ولا منفی برق پاروں کا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے جس میں قابلِ تقسیم مادی ایٹم اور قوت ایسی وحدتوں بلکہ وحدت کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں، جو باہم متبادل ہیں۔ یعنی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔

عالمِ حقیقت الحقائق یعنی حضرت الوہیت کا اظہار مافی الضمیر کیفیت و کمیت کو چاہتا ہے یعنی الفاظ کے لباس میں نشوونما پاتے ہیں۔ باطنی حقائق ظاہری تمثیلوں کے روپ میں جلوہ آرا ہوتے ہیں، اسی لئے غالب نے کہا ہے ؎

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاریٔ وہم　　　کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

اگرچہ برقِ نورِ زجاجی پیرہنوں سے مستغنی ہے، لیکن منصۂ شہود پر جلوہ افروزی قمقموں کی استعدادی قابلیت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پس قیدِ ہستی کی اندھیری کوٹھڑیوں میں روشنی بغیر صورتوں کے کیونکر ہو سکتی تھی۔ یعنی ہمارے دماغی خلیات اور ذہنی و حیاتیاتی جرثوموں میں رنگ و بو کے تشخصی امتیازات کس طرح شرائطِ ظہور سے بے نیاز رہ سکتے تھے۔

© rasailojaraid.com